ڈینگی وائرس: سرچ اور ریسرچ میں مسلسل ناکامی

تحریر: سہیل احمد لون

نجی ٹی چینل پر نشر خبر کے مطابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے " فرزند اول " ڈینگی وائرس کا شکار ہونے کے بعد اسپتال داخل کیے گئے۔اس خبر کو دیکھ کر آدھا یقین ہوا کیونکہ آجکل ہمارے ملک میں زیادہ تر کام آدھے یا ادھورے ہی ہو رہے ہیں۔آدھا سچ بول کر الزامات کی توپوں کا منہ کھول دیا جاتا ہے۔جوابی کارروائی میں بھی آدھے سچ سے ہی کام لیا جاتا ہے۔یہاں یہ ریت بنتی جا رہی ہے ......الزامات لگاؤ اور اپنی جان چھڑاؤ۔پھر ان الزامات کی تصدیق کا عمل بھی آدھا یا ادھورا ہی رہتا ہے۔کبھی کوئی چیز یا کام اپنے منطقی انجام کو نہیں پہنچتا۔چند دن جوش جذبہ دکھا کر اپنی راہیں اور منزل بدل لینا اب ہماری نفسیات کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ایسے میں گیلانی جونیئر کے ڈینگی وائرس میں مبتلا ہو کر اسپتال داخل ہونے کو کیسے سچ مان لیا جاتا؟ آخر وہ بھی تو سیاسی گدی نشین ہیں۔سیاستدانوں کے رونے، ہنسنے،غصہ میں آنے ، بیمار یا شفایاب ہونے کی ٹائمنگ کا اندازہ ایک عام آدمی بھلا کیا لگا سکتا ہے؟ ان میں سے کچھ ایسے بیمار تھے کہ پاکستان واپس نہیں آسکتے تھے۔مگر شفایابی کی ٹائمنگ نے ان کو سیدھا صدارتی محل تک پہنچا دیا۔کہاں رونا ہے......الطاف حسین سے بہتر کون جانتا ہے؟ کہاں ہنسنا ہے رحمٰن ملک کو دیکھو......! کہاں جوش میں آنا ہے رضا علی عابدی، ذوالفقار مرزا، رانا ثناء اللہ اور عابد شیر علی سے سیکھا جا سکتا ہے۔یہ سیاسی اداکار ہیں جنھوں نے سلطان راہی کے دفن ہونے کے بعد اس کا گنڈاسہ ہاتھ میں لے کر بھڑکیں مارنے کا سلسلہ آج تک جاری رکھا ہوا ہے۔ان کی بے مثال اداکاری نے فلمی ستاروں کو تو بے روزگار کر دیا ہے مگر چند ٹی وی اینکروں کے وارے نیارے کر دیے ہیں۔جہاں تک ننھے سٹار، گیلانی جونیئر کے اسپتال میں داخل ہونے کا تعلق ہے تو اس بات کو تو سچ مانا جا سکتا ہے مگر ان کو ڈینگی وائرس......یعنی کوئی مچھر کاٹ جائے بھلا یہ کیسے مان لیا جائے......؟ یہ تو وہ حضرات ہیں جن کو حفاظت کے اس حصار میں رکھا جاتا ہے جہاں پر گولی تک کی رسائی نہیں ہوتی۔جن کا لباس بلٹ پروف، گاڑی بلٹ پروف اور پتہ نہیں کیا کیا سیکیورٹی پروف......!! تو بھلا ایک مچھر کی کیا مجال کہ گیلانی جونیئر تک پہنچ جائے۔اگر سیکورٹی کی معمولی غفلت سے ایسا ہو بھی جائے تو مچھر ان کے کان میں ایک سرگوشی کر کے ہاتھ باندھ کر انکے آگے کھڑا ہو جاتا ہے "آقا......! میرے لیے بھی عوام میں کچھ خون چھوڑ دیا کریں......!!! کتا تو کتے کا بیری سنا ہے مگر یہ خون چوسنے والے تو آپس میں ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہیں۔اطاعت کا یہ عالم ہے کہ اپنے آقاؤں پر جان بھی پروانہ وار نچھاور کرتے ہیں۔جہاں تک اسپتال میں جانے کا تعلق ہے اس میں بھی گیلانی جونیئر کا کوئی سیاسی مفاد ہو گا۔کبھی کبھی عوام کے ساتھ یک جہتی کا ڈرامہ بھی تو رچانا ہوتا ہے ناں......! ان حالات میں عوام بیچاری کدھر جائے؟ خون چوسنے والوں کی شکایت خون چوسنے والوں کے پاس لگانے سے کیا حاصل؟ پھر بھی دل کو تسلی دینے کے لیے اگر ایسا کرنا پڑے تو ان کی فریاد حکومت تک کیسے کی جائے؟ پہلے تو بلدیاتی نظام تھا جس میں کبھی آفت آنے پر فریاد لے کر محلے کے کونسلر کے پاس پہنچ جاتے تھے جس کو مجبوراً ان کے لیے کوئی قدم اٹھانا پڑتا تھا۔اب عوام کو اس سہولت سے محروم کر کے ان کی فریاد کو ایوانوں تک پہنچانے والا راستہ ہی بند کر دیا ہے۔شکر ہے اس میڈیا کا جو عوامی دکھوں کی بین 24 گھنٹے

کرتا رہتا ہے مگر اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے اس کو "مسٹر بین" سمجھ کر کچھ دیر مزہ لے کر بھول جاتے ہیں۔ ڈینگی وائرس پچھلے سال بھی کئی غریبوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اس سال بھی جشن آزادی پر شرکت کے لیے آیا۔ ڈینگی آزادی کا جشن آج تک منا تا جا رہا ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے کی حفاظتی اقدامات کیے گئے؟ اس کے بچاؤ کے لیے کیا ایجاد کیا گیا؟ یہ کیوں پھیلتا ہے اس کے اسباب جاننے کی کوشش کی گئی؟ برطانیہ اور یورپ میں کچھ عرصہ پہلے برڈ فلو اور سوائن فلو کے وائرس پھیلے۔ اس پر یہاں کے تمام ریسرچ سنٹر حکومتی تعاون سے حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے اس کے اسباب جاننے کی کوشش کی تا کہ اس کی روک تھام کے لیے اقدامات اٹھائے جا سکیں ۔اس کے اثرات کو زائل کرنے اور مزید لوگ اس سے متاثر نہ ہوں اس کے لیے Vaccination ایجاد کی گئی۔ اس کے بارے میں لوگوں کو شعور دینے کے لیے خصوصی Website اور فری ٹیلیفون لائن کی سہولت بھی متعارف کروائی گئی۔ ڈاکٹرز حضرات نے اپنے کلینک پر خصوصی بورڈ نصب کیے۔ عوام کو مفت Vaccination لگوانے کی طرف راغب کیا گیا۔ ہماری ریسرچ اگر کسی کی کردار کشی کے لیے ہو تو اس سے بہتر دنیا کی کوئی لیبارٹری نہیں مگر تعمیری اور اصلاحی ریسرچ میں ہمارا مقام انتہائی بھیانک ہے۔ سرچ ہو یا ریسرچ دونوں میں ہم آج تک کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔ اتنے سالوں سے سرچ آپریشن جاری ہیں مگر دہشت گرد ایسے ہمارے گلی کوچوں میں دوڑتے ہیں جیسے شریانوں میں خون...... مگر سرچ کرنے والوں کو وہ نظر ہی نہیں آتے۔ ریسرچ کے لیے بھی متعدد سنٹر اور لیبارٹریز ہیں مگر آج تک عوامی سہولت کی کوئی چیز انہوں نے متعارف ہی نہیں کروائی۔ 1992ء میں مجھے بھی حساس ادارے کے ریسرچ سنٹر جو منسٹری آف ڈیفنس کے جھنڈے تلے چلتی ہے میں کام کرنے کا موقع ملا۔ بڑے جوش اور جذبے سے جوائن کیا مگر اندر کا حال دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوا کہ پاکستانی عوام کے ٹیکس پر صرف سیاستدان ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ بھی موج مستی کر رہے ہیں۔۔ آ ؤ...... جاؤ...... تے ٹرخاؤ...... کی پالیسی پر سارے بڑے بڑے ایمانداری سے عمل پیرا تھے۔ پاکستان ریلوے اور اسٹیل ملز آف پاکستان کا خسارہ تو عوام کے سامنے آ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ ادارے Audit کے عمل سے گزرتے ہیں۔ یہ لیبارٹری جس میں میں کام کرتا رہا ہوں اس عمل سے اس لیے مشتثناء ہے کہ یہ حساس ادارے کے زیر اثر کام کر رہی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں آج تک کبھی حساس اداروں کو اس عمل سے نہیں گزارہ گیا۔ یہاں کام تو بہت ہوتا تھا مگر ریسرچ کا نہیں بلکہ ذاتی......! چھوٹا سٹاف بڑوں کو خوش کرنے کے چکر میں ان کی گاڑیوں سے لے کر گھر کے کام بھی کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ چند ریٹائرڈ فوجی تو اس کو اپنی بریگیڈ ہی سمجھتے تھے۔ ریلوے انجن اور گاڑیاں تو چل چل کر آخر ناکارہ ہوئیں ادھر تو بہت سے قیمتی انسٹرومنٹس کبھی استعمال نہ کرنے کی وجہ سے وہاں پڑے پڑے ناکارہ ہو گئے تھے۔ انفارمیشن اور ٹیکنالوجی کے دور میں تحقیق ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مگر جہاں تحقیق گاہوں پر بھی نااہل لوگوں کا قبضہ ہو تو ایسے حالات میں قابل اور حقدار لوگ دوسرے ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ڈاکٹر قدیر اور ڈاکٹر عبدا سلام کو اپنے ملک میں ہی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع دیا جاتا۔ اب تو صدر پاکستان نے بھی سیاسی جھگڑے چھوڑ کر ڈینگی وائرس پر ریسرچ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ہمارے محققین کے لیے اب یہ چیلنج ہونا چاہیے کہ کم از کم ڈینگی وائرس کی ویکسینیشن ہی متعارف کروا دیں۔ شاید اب کوئی محقق کوئی بڑا کارنامہ کرنے کی جرات نہ کرے کیونکہ جو صلہ ڈاکٹر قدیر کو ان کی گراں قدر خدمات کا دیا گیا ہے وہ مثال سب کے سامنے ہے۔ کاش!

ہمارے ملک میں قابل اور حقدار کو اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا مناسب موقع دیا جائے تا کہ آئندہ کبھی ڈینگی وائرس پر ریسرچ کرنے کے لیے صدر مملکت کو نہ کہنا پڑے۔

sohailloun@gmail.com

15-09-2011

سربٹن۔سرے